حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تکملہ فتح الملہم میں خلاصہ بحث بیان کرتے ہوئے بیان فرماتے ہے کہ انسانی بدن میں ہر وہ زیادتی یا نقص پیدا کرنا جو زینت کی خاطر ہو اور دائمی طور پر ہو جو "مذموم خلقتاً" معلوم ہو رہی ہو تو یہ تلبیس اور تغیر ہے جو نہایت ہی مذموم اور شیطانی فعل ہے۔ لہٰذا مسئلہ مذکورہ میں مردوں کو عورتوں کے اعضاء لگانا جس سے وہ پوری طرح عورت بن جائے (وبالعکس) تغیر لخلق اللہ کی اعلیٰ قسم ہے جو نہایت ہی مذموم اور ناجائز ہے اور اس مذموم فعل کا (تبدیلی جنس) شرعاً اجازت نہیں دیا جا سکتا۔

دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی کا فتویٰ:

سوال نامہ! کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں:

مسئلہ: کہ ایک مرد کو عورت بنایا گیا یعنی مردانہ اعضاء (ذکر) وغیرہ کاٹ دیئے گئے اور زنانہ اعضاء بنائے گئے یعنی جماع اور پیشاب کا راستہ بنایا گیا اور ہارمونز کے ذریعے اس کے پستان بھی عورت کی طرح ابھارے گئے اور عورت والی اشتہاء بھی دوائی کے ذریعے اس میں پیدا کیا گیا۔

لیکن صرف بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت اس میں نہیں کیونکہ اس میں رحم (بچہ دانی) ہے ہی نہیں۔ باقی دیکھا جائے تو کوئی یہ فرق نہیں کر سکتا کہ یہ پیدائشی ہے یا مصنوعی لیکن ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ اس کے ذہن (دماغ) اور ظاہری اعضاء میں تضاد تھا یعنی دماغ عورتوں والا اور ظاہری جسم مرد والا کیونکہ اگر ایسا مریض ویسے چھوڑ دیا جائے تو بسا اوقات خودکشی کر لیتا ہے چنانچہ اس مریضہ نے بھی اس علاج سے پہلے خودکشی کرنے کی کوشش کی..... محترم یہ قسم ان تمام اقسام سے جدا ہے جو کہ مریض میں دونوں طرح کے اعضاء ہو یا ایک طرف غالبیت ہو یا پیدائش کے بعد تو مرد ہو بعد میں عورتوں والے اعضاء پیدا ہوئے ہو۔ سائیکالوجی اور سائیکاٹری جو کہ طب کی ایک شاخ ہے اس میں بیماری کو وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ عام طور پر کفریستان میں ایسے بیماریوں کا (دماغ اور ظاہری جسم کا تضاد) نزول ہوا ہے۔ یہ بات واضح ہو کہ ایسے بیمار کا پتہ چلنا حرکات وسکانات سے ہوتا ہے۔

بہرحال اب سوال یہ دریافت کرنا ہے (۱) کہ کیا ڈاکٹر حضرات کا یہ فعل جائز تھا یا نہیں؟

(۲) بہرصورت اب اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں کیونکہ اس کے ساتھ ایک مرد نکاح کرنا چاہتا ہے اور یہ عورت بھی تیار ہے۔

(۳) کیا ایسے بیماروں پر مکمل جنس تبدیل ہونے کا حکم لگا سکتے ہیں؟ جنس مکمل تبدیل ہونے کے لئے کیا شرائط ہیں تفصیلاً فتویٰ درکار ہے بہت ہی شکرگزار ہونگا۔ ..... والسلام

ازبندہ مفتی عظمت اللہ بنوتی

دارالافتاء جامعہ المرکز الاسلامی

الجواب حامداً ومصلیاً:

(۱) جسم سمیت انسان کا پورا وجود امانت ہے اور اس میں ہر قسم کے تصرف کے لئے وہ اپنے رب کے حضور جوابدہ ہے لہٰذا صورتِ مذکورہ میں انجام دیا گیا فعل "تغییر لخلق الله" (اللہ تبارک وتعالیٰ کی پیدا کردہ صورت میں تبدیلی) کے زمرے میں آتا ہے جو ناجائز اور حرام ہے۔ حالتِ اضطرار کے تحقق پر ایک جملہ "مریضہ کی خودکشی کرنے کی کوشش" دال ہے۔ لیکن یہ اس لئے قابلِ قبول نہیں کہ ہر انسان کے حوصلہ، ہمت کا ظرف مختلف ہے۔ بعض ایسے ہی جو بڑی سے بڑی مصیبت اور مشکل میں بھی مایوسی اور نا اُمیدی کو پاس پھٹکنے نہیں دیتے جبکہ بعض چھوٹی چھوٹی باتوں پر انتہائی اقدام اٹھا لیتے ہیں۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ لہٰذا خودکشی کی کوشش کرنا کسی حرام فعل کو حلت کے دائرے میں داخل نہیں کرسکتا۔ اگر ابتدائی زمانہ سے متاثرہ شخص پر توجہ دی جاتی اور تعلیم وتربیت کا مناسب انتظام کیا جاتا تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ نوبت یہاں تک پہنچتی۔

(۲) جائز نہیں۔ کیونکہ نکاح کا مقصدِ شرعی یعنی توالد وتناسل ناممکن ہے۔ جیسا کہ تصریح موجود ہے۔

(۳) جنس اگر قدرتی طور پر تبدیل ہوتو "تصرفِ خالقِ فیٔ خلقه" ہے جس میں کوئی اشکال نہیں۔ لیکن خود کوشش کرنا درست نہیں۔

هكذا في :فتاوىٰ محموديه ، ۱۶۳/۵ ،ط: مظهري كراتشي. والله تعالىٰ أعلم بالصواب .

الجواب الصحيح	الجواب الصحيح	كتبه:
عبيد الله غفر له'	منظواحمد مينگل	محمد عمر عادل

المتخصص في الفقه الاسلامي بالجامعة الفاروقيه!

خلاصہ بحث!

لہٰذا صورت مسئولہ میں سائل نے جو آپریشن کروا کر اپنی جنس تبدیل کی ہے تو یہ حرام کام کیا ہے اور یہ تغیر لخلق اللہ کی بناء پر کبیر گناہ کا مرتکب ہو چکا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انسان کا جسم انسان کے پاس اللہ رب العزت کی طرف سے امانت ہے اور اس میں کسی قسم کی خیانت یعنی تبدیلی کرنا یہ گناہِ کبیرہ ہے۔ جیسا کہ "فتح الباری" میں ہے :

"ويؤخذمنه ان جناية الانسان على نفسه كجناية على غيره في الاثم لا ن نفسه ليست ملكاً له مطلقا،بل هي لله تعالىٰ فلا يتصرف فيها الا بما اذن له". (۱۱/ ۵۳۹ ط: لاهور)

"عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ "لعن الواصلة المستوصلة والواشمة والمستوشمة" قال النووي في شرحه: هذا الفعل حرام على الفاعلة والمفعول بها لهذه الاحاديث لانه تغيير لخلق الله لا نه تزوير وتدليس". (۲۰/۲)

☆☆☆☆☆.....

عصرِ حاضر اور علمِ حدیث

علومِ حدیث میں مہارت، علمی ضرورت!

مولانا عبدالسلام

متخصص فی الحدیث، جامعہ فاروقیہ فیصل کالونی، کراچی

نمبرشمار	ذیلی عنوانات	نمبرشمار	ذیلی عنوانات
۱	تمہید	۲	تعلیم نبوی اور صحابہ کرام
۳	عہد صحابہ میں حدیث کی اہمیت	۴	حیات نبوی کی حفاظت
۵	حدیث اور علومِ حدیث کی اہمیت، دائرہ کار	۶	طلبۂ حدیث کا افسوس ناک رویہ

تمہید: فتنوں وفساد کا دور چل رہا ہے اس وقت عمومی طور پر علمِ حدیث کا علم چھوڑ دیا گیا۔ حالانکہ علم حدیث دین اسلام میں ریڑھ کے ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے لہٰذا علمِ حدیث پر توجہ دینے کی ضرورت ہے قارئین کے ذوق کے لئے مضمون ہذا شامل کیا جاتا ہے......از ادارہ

رب کائنات کی ایک عجیب حکیمانہ کارکردگی ہے، کہ اپنے ''نبی اُمی'' کو ایک ایسی امت مرحمت فرمائی جس نے علم کی خدمت واشاعت، علوم کی تحقیق وتدقیق کے ساتھ ساتھ متعلقاتِ علوم کی وضع وتدوین کا ایسا کارنامہ سرانجام دیا جس کی مثال تاریخ کے اوراق میں نہیں ملتی۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں گذشتہ اقوام سے بازی لے گئی اور اتنا بڑا علمی ذخیرہ اور اتنا وسیع وعریض کتب خانہ اس کی محنتوں سے وجود میں آیا جس کا سرسری جائزہ لینا بھی ممکن نہیں۔ جس ہستی کو رب ذوالجلال نے اُمی کا لقب عطا فرمایا، اوران کو مخاطب کرکے یہ ارشاد فرمایا: (وما كنت تدرى من قبله من كتاب ولا تخطه بيمينک اذا لأرتاب المبطلون) (۱)

''اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔ ایسا ہوتو اہل باطل ضرور شک کرتے''۔

اس کو ایسی امت کا عطا ہونا جو اپنے علمی شوق وشغف، اپنی بلند ہمتی اور قوتِ ارادی میں بے مثال ہو، خدمتِ علم میں جان کھپا دینے والی ہو۔ صرف اتفاقی امر نہیں بلکہ قدرتِ الٰہی کی کرشمہ سازی، مادیت پرست وظاہری بین انسانوں کے لئے ''لمحہ فکریہ'' اور تاریخ کے اوراق پر ایک حیران کن ''اشاریہ سوال'' ہے کہ ایسا کیوں! اور کس طرح ہوا؟!

نبی کریم ﷺ کو نبوت ملی ہی تھی ادیانِ سابقہ کی چھٹی ہوگئی، اور (ومن يبتغ غير الاسلام دينا فلن يقبل منه) (۲) کا اعلان کرکے اسلام کو سرچشمۂ ہدایت ومشعلِ راہ قرار دیا گیا، اور صاف بتایا گیا کہ ہر کامیابی کا راز اس میں مضمر ہے، اس سارے ماجرا کی تصویرکشی کرتے ہوئے عارف باللہ شیخ سعدی شیرازیؒ نے خوب کہا:

یتیمے کہ ناکردہ قرآن وسنت　　　کتب خانۂ چند ملت بشست

قرآن وحدیث سے جو ''نظام حیات'' وجود میں آیا اس کو ابدی دین قرار دیا گیا اور تا آمدنِ قیامت جاری وساری رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی: (انا نحن نزلنا کروانا له لحافظون) (۳)

اور یوں ہی آپ ﷺ کے ذریعے آسمانی کتابوں کا امتِ مرحومہ کو بہترین نعم البدل عطا کیا گیا اور مسجد نبوی کے احاطے میں اس ''دارالعلوم ''اور پاکیزہ درس گاہ کا افتتاح ہوا جس کے معلم (۴) اور متعلمین. (۵) دونوں کو قرآن کریم نے اُمی ہونے کا لقب دیا، یہی وہ درس گاہ ہے جس سے تمام مدارس ومکاتب حق کی شاخیں ملتی ہیں اور یہ وہ منبع علم وعرفاں ہے جس سے ان گنت پیاسے سیراب ہوئے۔

تعلیم نبوی اور صحابۂ کرامؓ!

یہ بات ملحوظ خاطر رہے!

کہ قرآن کریم محض ایک علمی کتاب نہیں، جس کا مقصود مطالعہ کر کے صرف معلومات حاصل کرنا ہو، بلکہ یہ اقوام عالم کا وہ دستور العمل اور ضابطۂ حیات بھی ہے جس کی طرف شعبہ ہائے زندگی کے نت نئے مسائل میں ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کی تعلیم عرفِ عام کے خلاف اسوۂ حسنہ اور عملی نقشے کے ساتھ ساتھ جاری رہتی تھی۔

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ محض نظریاتی تعلیم کسی قوم کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہوا کرتی، اصلاح کا فطری طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ایک عملی مثال قائم کی جائے جس کی وہ اتباع کر سکیں۔ بہت سارے دنیوی فنون بھی ایسے ہیں جو عملی مشق کے بغیر پہلے تو سمجھ میں نہیں آتے اور اگر آجائیں تو جب تک کسی ماہر کے زیرِ تربیت ان کو حاصل نہیں کیا جاتا وہ صحیح طور پر انجام نہیں دیئے جاسکتے۔ اسی وجہ سے صحابۂ کرامؓ آپ ﷺ کی نشست وبرخاست، طعام لباس، رہن وسہن، نقل واداء غرض یہ کہ سفر وحضر کی تمام عبادات وعادات کی جو ہیئت ووضع دیکھ لیتے اس کو اپنا دستورِ حیات بنا لیتے ہر قول پر لبیک کہتے اور ہر فعل نبوی کو رضا، قربِ الٰہی کا ذریعہ اور کامیابی کی کلید سمجھتے۔

مختصر یہ کہ آپ ﷺ کے کلماتِ طیبہ سننا اور یاد کرنا ان کا سبق تھا، اور اپنے عمل کو نبی کریم ﷺ کے عمل کے مطابق بنانا یہی ان کا مشغلہ تھا، اس لئے ان کی سادہ فطرت اور سادہ دماغ میں جو پہلا نقش قائم ہوا وہ حق ہی حق اور صواب ہی صواب تھا۔ مزید برآں نبی کریم ﷺ کی صحبت کی تاثیر سے ان علوم نے ان میں ایسا رسوخ اور ایسی نورانیت پیدا کر دی تھی جس کی گواہی قرآن نے: (فان آمنو بمثل ما آمنتم به فقد اهتدوا) (۲) اور نبی کریم ﷺ نے: (اصحابی کالنجوم فبا یهم اقتدیتم اهتدیتم) (۷) کہہ کر دی اور معیارِ حق وباطل قرار دیئے گئے۔ صحابہ کرام کی شان میں حضرت حسن بصریؒ صحابہ کرام کے حال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ جماعت پوری اُمت میں سب سے زیادہ نیک دل، سب زیادہ گہرے علم کی مالک اور سب سے زیادہ بے تکلف جماعت تھی۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے رسول کی رفاقت کے لئے اسے پسند کیا تھا، وہ آپ کے اخلاق اور آپ کے طریقوں سے مشابہت پیدا کرنے کی سعی میں لگی رہا کرتی تھی۔ اس کو دھن تھی تو اسی کی، تلاش تھی تو اسی کی! اس کعبہ کے پروردگار کی قسم وہ جماعت صراطِ مستقیم پر

گامزن تھی''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی تعبیر اور بھی شاندار اور مکمل ہے فرماتے ہیں:

''من كان متاسيا فليتاس بأصحاب محمد ﷺ ؛ فانهم كانوا ابر هذه الا ئمة قلوباً، وأعمقها علماً، وأقلها تكلفا، وأقومها هدياً، وأحسنها حالاً ؛ قوماً اختارهم الله لصحبة نبية، واقامة دينه، فاعرِفوالهم فضلهم ، واتبعوهم فى آثارِ هم ! فانهم كانوا على الهدىٰ المستقيم''. (۸)

ترجمہ:۔''تم میں جس کو اقتداء کرنی ہو وہ محمد ﷺ کے اصحاب کی اقتداء کرے کیونکہ وہ نیک دلی میں سب سے زیادہ، علم میں سب سے گہرے، نہایت بے تکلف، مضبوط کردار اور بہت اچھے حال کے لوگ تھے۔ مولائے کریم نے اس جماعت کو اپنے پیارے رسول کی صحبت اور دین کی حفاظت کے لئے منتخب کیا تھا، اس لئے تم بھی ان کا مقام پہچانو، اور ان کے نقش قدم پر چلو کیونکہ وہ سیدھے اور صاف راستے پر چلنے والے تھے''۔

عہد صحابہ میں حدیث کی حیثیت واہمیت:

صحابۂ کرامؓ کے دور میں حدیث کی تشریعی حیثیت کا ہونا روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ ہمارے علم میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ ان کے نزدیک حدیث تاریخی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد سب سے پہلا اختلاف آپ کے دفن کے متعلق ہوا لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ یہ اختلاف اس حدیث کے سوا جو اس وقت ابو بکرؓ نے پڑھ کر سنائی کسی اور دلیل سے رفع کیا گیا تھا؟ (۹) کیا کسی نے اس فیصلے کے خلاف کوئی آواز اٹھائی تھی؟

حضرت فضالہؓ بن عبید المتوفی ۵۸ھ جو مصر کے گورنر تھے ان کی خدمت میں مدینہ سے ایک صحابی (جن کو ایک حدیث کے متعلق شک ہوا تھا) حاضر ہوئے اور فرمانے لگے کہ:''میں آپ کی ملاقات کے لئے حاضر نہیں ہوا بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ آپ نے اور میں نے نبی کریم ﷺ سے ایک حدیث سنی تھی، مجھے اس میں کچھ شک واقع ہوا ہے اس لئے آیا ہوں، چنانچہ وہ حدیث انہوں نے بیان کی۔ (۱۰) لیکن حضرت فضالہؓ کو پراگندہ بال دیکھ کر سوال کیا کہ آپ حاکم ہو کر اس طرح کیوں نظر آرہے ہیں؟ وہ بولے کہ''ہمیں نبی کریم ﷺ نے تن آسانی اور پر تعیش زندگی گذارنے سے منع فرمایا ہے''۔

انہوں نے سوال کیا کہ آپ کہ برہنہ پا کیوں ہیں؟ حضرت فضالہؓ نے فرمایا کہ:''جناب رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کبھی کبھار ننگے پاؤں چلا کریں!'' (تا کہ دوسرے کی غربت کا احساس ہو)۔

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور اونٹنی کو دروازے کے پاس باندھ دیا) آپ ﷺ ابتداءِ خلق کا ذکر فرما رہے تھے دریں اثناء ایک شخص نے آواز دی کہ اے ابن حصین! تیری اونٹنی بھاگ گئی، چنانچہ میں اس

کی تلاش میں نکل پڑا، آخر میں فرماتے ہیں کہ کاش! اونٹنی چھوڑ کر ضائع ہو جاتی لیکن نبی کریم ﷺ کا کلام مبارک سننے سے محروم نہ رہتا۔ (۱۱)

''صحیح بخاری شریف'' میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت منقول ہے، انہوں نے فرمایا:

''میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی جس کا نام عتبان بن مالک بن عمرو بن العجل الخزرجی تھا۔ (مدینہ طیبہ سے تقریباً پانچ یا چھ کلومیٹر دور) عوالی مدینہ کے محلہ (بنی امیہ) میں رہتے تھے، ہم دونوں نے یہ طے کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باری باری حاضر ہوا کریں گے، چنانچہ ایک روز وہ پہنچتا تھا اور ایک روز میں حاضر خدمت ہوتا تو جو قرآن اترتا، یا کوئی دوسری بات آپ کی مجلس میں پیش آتی، اس کی تفصیل اپنے پڑوسی کو سناتا۔ اور جب وہ حاضر ہوتے تو بھی اسی طرح کرتے''۔ (۱۲)

کیا یہ اہتمام ایک معمولی تاریخ کی حفاظت کے لئے ہی کیا گیا تھا؟

اس کے علاوہ خلیفۂ اول سے لیکر خلفاء کے آخری دور تک جب کبھی مذہبی اور سیاسی نزاع پیش آئے تو ہمیشہ جانبین سے قرآن وحدیث ہی پیش کی گئی ہیں حتیٰ کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ میں بھی دونوں طرف سے اپنے حق میں حدیثیں ہی پڑھی گئیں۔

حیاتِ نبوی کی حفاظت:

پوری علمی دنیا کا اس پر اتفاق ہے کہ امت مسلمہ نے اپنے آقا محمد ﷺ کی حیات طیبہ، قول وفعل اور حرکت وادا حتیٰ کہ ہر اس چیز اور ہر اس شخص کے حالات کی، جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے تھا، جس حیران کن طریقے سے حفاظت کی وہ انسانی تاریخ کا ایک عجوبہ ہے۔ مادی اسباب وآلات کا نام تک نہیں تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے قوت حفظ کے ساتھ ایسا علمی ذوق وشوق عطا فرمایا تھا جس کی مثال کسی اور قوم میں تلاش کرنا جہد بے ثمر ہے۔

اس وقت ضبط ونقل کا ذریعہ جو بھی تھا وہ لوگوں کا خداداد حافظہ اور زبانیں تھیں۔ قدیم زمانہ میں واقعات محفوظ رکھنے اور بعد کی نسلوں تک پہنچانے کا یہی واحد ذریعہ تھا، مگر عرب خصوصیت کے ساتھ قوتِ حفظ میں ممتاز تھے۔ ان کو اپنے اشعار سینکڑوں کی تعداد میں یاد ہوتے تھے ان میں ہر ایک کو شجرۂ نسب بلکہ انٹوں اور گھوڑوں کے شجرہائے نسب بھی ازبر یاد ہوا کرتے تھے۔

معروف تاریخ نگار خیر الدین از رِکلی اپنی کتاب ''الأعلام'' میں عرب دنیا کے مشہور ومایہ ناز شاعر حماد بن سابور بن المبارک ابو القاسم الراویہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولید بن یزید الاموی نے ان سے پوچھا ارے میاں! الراویہ کا لقب کیسے ملا؟ کہنے لگے:

''بادشاہ سلامت! ہر نئے وپرانے شعر کے درمیان فرق کر سکتا ہوں اور جس شاعر کا بھی نام لو گے اس کے اشعار سناؤں گا''۔

ولید بولے کتنے اشعار یاد ہیں؟ جواب دیا:

''کہ حروفِ تہجی کے ہر حرف کے تحت (اسلامی اشعار اور مقطعات کے علاوہ) ایک سو طویل قصائد ابھی سنا سکتا ہوں''۔

یہ صرف دعوی نہیں تھا بلکہ دو ہزار نو سو قصائد سناڈالے، جس پر ولید بن یزید نے ایک لاکھ درہم کا انعام دیا۔(۱۳) بقول علامہ حالی:

لئے علم وفن ان سے نصرانیوں نے — کیا کسبِ اخلاق روحانیوں نے
ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے — کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے
ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا — کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

عرب اپنی قوت حفظ پر اس قدر نازاں اور پر اعتماد تھے کہ وہ تحریر سے زیادہ یادداشت پر بھروسہ کرتے تھے۔ دوسری طرف نبی کریم ﷺ کی مبارک دعا کی برکات تھیں جس کی وجہ سے ان کی دماغ میں نشاط وتازگی رہتی تھی۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''نصر الله عبدا سمع مقالتی فوعاها ثم اداها کما سمع''. (۱۴)

''اللہ تعالی اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میرا کہا ہوا سن کر زبانی یاد کرے پھر دوسروں تک بالکل اسی طرح پہنچادے جس طرح اس نے سنا تھا''۔

ساتھ یہ مزید اہتمام اور بیدار مغزی کا مظاہرہ کرنے اور احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے لئے یہ ارشاد بھی فرمایا تھا:

''من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعده من النار''. (۱۵)

ترجمہ:۔''جو شخص جانتے ہوئے قصداً کوئی جھوٹ میری طرف منسوب کرے اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے''۔

اس حدیث مبارکہ نے راویانِ حدیث میں ایسا احساس ذمہ داری پیدا کردیا تھا کہ بیان کرتے وقت ان کے چہرے خوف سے زرد پڑ جاتے، چنانچہ حدیث کے سب سے مشہور راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

''جزأت الليل ثلثة أجزاء: ثلثا أصلی، أنام، وثلثا اذکر فيه حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم. (۱۶)

''میں نے رات تین حصوں میں تقسیم کررکھی ہے: ایک تہائی رات میں نماز پڑھتا ہوں، ایک تہائی میں سوتا ہوں، اور باقی ایک تہائی میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث یاد کرتا ہوں''۔

علم حدیث کی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں جو واضح طور پر یہ بتلاتی ہیں کہ احادیث روایت کرنے والوں نے حفظِ حدیث میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اپنے اس بے مثال حافظے کا استعمال کیا ہے جو فضل خداوندی کا کرشمہ تھا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قوتِ حافظہ علم حدیث میں عمومی مفہوم کی کوئی مبہم اصطلاح نہیں! بلکہ مخصوص شرائط پر مبنی ایک خالص فنی حیثیت رکھتا ہے جس کے ذریعہ راویانِ حدیث کا قابلِ اعتماد ہونا پرکھا جاتا ہے، اور ان کے مسترد یا قبول کیے جانے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

فن اسماء الرجال راویانِ حدیث کا کھلا ریکارڈ:

جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال اور احوال کو نقل کیا انہیں ''رواتِ ورجالِ حدیث'' کہا جاتا ہے، جن میں صحابہ کرام سے لیکر چوتھی صدی ہجری تک کے راویانِ حدیث وآثار داخل ہیں۔ ان کے مجموعہ احوال کا نام ''فن اسماء الرجال'' ہے۔ جب حدیث کی

تدوین ہورہی تھی تو اسی کے ساتھ محدثین اعتماد کو باقی رکھنے والا ایک منظم فن بھی مدون کرتے جارہے تھے، جس میں کسی روایت کی جانچ پڑتال، چھان پھٹک اور صحیح وغلط کی تصدیق کے لئے بے شمار مراحل تشکیل دیئے گئے، ہر راوی نام اس کی کنیت، لقب، کہاں کے رہائشی تھے؟ آباء واجداد کون تھے؟ کس مزاج وطبیعت کے تھے؟ حافظہ کیسا تھا؟ تقوی اور دینداری کے لحاظ سے کیا درجہ تھا؟ کن اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا تھا؟ طلبِ علم کے سلسلے میں کہاں کہاں کی خاک چھانی؟ تلامذہ کون تھے؟ غرض ان ہزار احادیث کے ساتھ ان کے روایان کے بارے میں بھی تحقیق وتفتیش کا اتنا زبردست ریکارڈ جمع کیا گیا کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں۔

یہود ونصاریٰ، ہنود اور دیگر اقوام کے پاس بھی ان کی مذہبی کتابیں تھیں، لیکن ان کے گردان کے مذہبی پیشواؤں کا پہرہ نہ تھا، نفس کے پجاریوں نے ان میں دخل اندازی کی، نہ ان کتابوں کے الفاظ محفوظ رہے نہ معنیٰ، ان کے ایڈیشن ہر موڑ پر بدلتے گئے اور صرف ایک تاریخی یادگار بن کر رہ گئیں۔ لیکن بلا خوف وخطر کہا جاسکتا ہے کہ امتِ مسلمہ کے پاس نہ صرف قرآن مجید محفوظ شکل میں موجود ہے بلکہ احادیث نبویہ بھی محفوظ ہیں اور کھرے کھوٹے کا واضح امتیاز کیا گیا ہے اور یہ اسی فن کی بدولت ممکن ہوا ہے جس میں امتِ مسلمہ کی چنیدہ شخصیات نے اپنی پوری ذہانت ومحنت صرف کی اور ذہنی کاوش وعلمی موشگافیوں کا بہترین ثبوت دیا۔

عالم اسلام کے مشہور حنفی محقق، عظیم محدث، نابغہ روزگار شیخ عبدالفتاح ابوغدہ اپنی یہ مایۂ ناز کتاب ''لمحات من تاریخ السنۃ وعلوم الحدیث'' میں لکھتے ہیں:

''ہمارے اسلاف نے سنتِ مطہرہ کی جتنی خدمت کی ہے شاید ہی کسی علم کی اتنی خدمت کی گئی ہو، کسی نے کہا ہے کہ علوم کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم جو نیم پختہ رہی، دوسری قسم جو پختگی میں کمال کو پہنچتی، تیسری قسم جو اس سے بھی آگے بڑھ گئی اور پختہ ہوکر بالکل کھری ہوگئی وہ علم حدیث ہے۔'' (۱۷) حافظ ابن الصلاح نے اپنی معروف کتاب ''معرفۃ انواع علم الحدیث'' (۱۸) میں ان پینسٹھ علوم کے نام ذکر کئے ہیں جن کی وضع وتدوین کا ''سہرا'' امتِ محمدیہ کے بالغ نظر اہلِ علم کے سر ہے اور جن کے منصۂ شہود پر آنے کا سبب وداعی قرآنِ کریم کا فہم وادراک اور سنتِ مطہرہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کی نگرانی اور حفاظت تھا۔

فن اسماء الرجال، فن جرح وتعدیل، اصولِ حدیث اور علل حدیث میں محدثین اور ناقدین نے جن موشگافیوں سے کام لیا ہے، جس ذہانت، نکتہ بینی، دیدہ ریزی اور جان فشانی کا ثبوت دیا ہے اس کا اندازہ ان فنون کے محققین کی ضخیم تصنیفات اور دقیق وغامض بحثوں پر نظر ڈالنے سے ہی ہوسکتا ہے۔ فن اسماء الرجال کا تو غیروں نے بھی اعتراف کرلیا ہے کہ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہ گذری ہے اور نہ ہی آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔

تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

حدیث اور علومِ حدیث کی اہمیت اور دائرکار:

علم قرآن اگر اسلامی علوم میں 'دل' کی حیثیت رکھتا ہے تو ''علمِ حدیث'' شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء وجوارح تک صاف خون پہنچا کر ہر آن ان کے لئے ''حیاتِ نو'' کا سامان مہیا کرتی ہے۔ آیات کا شانِ نزول، ان کی تفسیر، اَحکام قرآن کی تشریح وتوضیح، اجمال کی تفصیل، عموم کی تخصیص اور مبہم کی تعین سب ''علمِ حدیث'' کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی سیرتِ اخلاق وعاداتِ مبارک، اسوۂ حسنہ وحیات طیبہ، آپ کے سنن ومستحبات، احکام وارشادات، اسلام کی تاریخ، صحابہ کرام کی مبارک زندگی اور اجتہاد واستنباط کا سرمایہ اسی علمِ حدیث کے راستے نقلاً بعد نقل ہم تک پہنچا ہے۔ اسلام کے عملی پیکر کا صحیح مرقع اسی علم کی بدولت مسلمانوں میں قائم ودائم ہے اور انشاء اللہ رہتی دنیا تک رہے گا۔

ہمارے اسلاف نے آغازِ اسلام سے قرآن کریم کے بعد علومِ حدیث کو اپنے سینوں سے لگایا، ہر ہر پہلو پر نظر رکھی، گرد وپیش کا جائزہ لیتے ہوئے ایسی مضبوط چار دیواری اور سرحدیں قائم کردیں جن میں نہ تو دشمن کے جھوٹ وفریت کا تیر داخل ہوسکا اور نہ کوئی ڈاکو ورہزن نقب زنی کرسکا۔ مولائے کریم نے ان کو ایسے حافظوں اور ذہنوں سے نوازا تھا جن کے ذریعے وہ حرفِ حدیث وحرفِ غیر میں ایسا فرق کرتے تھے جس طرح ماں اپنے بچوں کو غیروں سے ممتاز کردیتی ہے۔

وہ علومِ حدیث کو اپنا سرمایہ اور تمغہ امتیاز سمجھتے تھے، ہر گوشے گوشے سے واقف تھے، بلکہ لاکھوں روایان کی بھی خبر رکھتے تھے، پیدائش سے لیکر موت تک، پوتوں سے لیکر پردادوں تک اور استادوں سے لیکر شاگردوں تک کا سارا ریکارڈ ان کے خداداد ذہنوں میں محفوظ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ امتِ مسلمہ نے اپنے پیارے آقا محمد مصطفی ﷺ کے فرامین کی جتنی جاں فشانی وجان کاہی سے حفاظت کی چار دانگ عالم میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔ حدیث کے پیش نظر امانت ودیانت کے ایسے باب رقم کئے، جن میں باپ، بیٹے اور بھائی کا خیال رکھا گیا نہ ہی کسی اور رشتے دار کا۔

امام بخاری کے استاد اور جرح وتعدیل کے امام علی بن المدینیؒ سے جب ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو فرماتے:

''ان کے بارے میں میرے علاوہ کسی اور سے معلوم کرو۔ جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمانے لگے: ''یہ دین (کا مسئلہ) ہے'' اور دین کے بارے میں کسی کا لحاظ نہیں رکھا جاسکتا) لہٰذا میرے والد اس معاملے میں کمزور ہیں''۔ (۱۹)

صاحب سنن امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے صاف فرمایا: ''میرے فرزند عبداللہ کذاب ہے''۔ (۲۰)

بہرکیف علومِ حدیث پر ان کو ایسا عبور حاصل تھا کہ حدیث سنتے ہی ان کو استحضار ہوتا کہ یہ فلاں فلاں کتاب میں فلاں فلاں جگہ مذکور ہے۔ مصنفین کے مزاج، اسلوب وانداز، تصانیف کی ترتیب اور تبویب وفراز سے ایسے واقف تھے جس طرح ایک دکاندار جانتا ہے کہ میری دکان میں فلاں چیز کہاں رکھی ہوئی ہے۔ حالی نے کیا خوب کہا ہے:

گروہ ایک جو یا تھا علم نبی کا — لگایا پتا جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذبِ خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مفتری کا
کیے جرح وتعدیل کے وضع قانون — نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں
کیا فاش راوی میں جو عیب پایا — مناقب چھانا مثالب کو تایا
مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا — ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا (۲۱)

طلبۂ حدیث کا افسوسناک رویہ:

آج حدیث کی درسگاہوں میں بیسیوں ایسے طلبہ ملیں گے جنہوں نے آٹھ دس سال رگڑے کھائے، مشقت برداشت کی تا کہ علوم عالیہ کو سمجھیں، مگر جب ان تک رسائی ہوئی تو ایسی بے پرواہی سے گذرے کہ کتبِ ستہ کے طریقۂ تالیف وترتیب اور مصنف کے اسلوب وانداز تو درکنار! بعض تو مؤلفین کے نام تک نہیں جانتے، رواۃ کے نام اور متونِ حدیث کو یاد رکھنا بے کار گردانتے ہیں، اپنی کوتاہی اور سستی کو ایک دوسرا عنوان دیکر یوں گویا ہوتے ہیں: کہ ''اصل تو حدیث کا معنیٰ سمجھنا ہے'' سند پڑھتے وقت تحقیق کئے بغیر جو زبان پر آتا ہے بول دیتے ہیں، نہ عمر میں فرق، نہ معین ومعین میں امتیاز اور نہ زیر وزبر میں تمیز، لحن وتصحیف کرتے ہوئے ایک دوسرے سے بڑھ کر عبارت پڑھنے میں اتنی تیزی دیکھاتے ہیں کہ بسا اوقات، حروف، بلکہ الفاظ وکلمات تک سمجھ نہیں آرہے ہوتے۔ جس طرح آج کل کے حفاظِ کرام رمضان شریف میں قرآن پڑھتے ہیں۔

حدیث شریف بیان کرتے وقت صحابہ کرام کے جسموں پر لرزہ طاری ہوجاتا، رنگ زرد اور چہرے پیلے پڑ جاتے۔ کیا تلفظ وصحتِ اداء اور لہجہ کی پابندی ضروری نہیں؟ عربی زبان میں تو اس کی شدید ضرورت ہے کہ صحتِ تلفظ کے عادی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کو صحتِ اداء کیساتھ پڑھنے کے لئے تو علماء نے اتنی ساری کتابیں لکھی ہیں کہ ان سے قدیم زمانہ ہی میں ایک زبردست کتب خانہ تیار ہو چکا ہے، علم تجوید وقرآت میں قرآن پاک کے ایک ایک لفظ اور حرف کو اداء کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ دنیا کی کسی زبان کو یہ اعزاز حاصل نہیں کہ اس کے الفاظ وحروف کی ادائیگی کی حد بندی کی گئی ہو۔ اس کے صوتی آہنگ اور مخارجِ حروف کے سلسلے میں اس درجہ دقت نظر سے کام لیا گیا ہو، ادائیگی کی مدت اور مقدار ومعیار کا تعین کیا گیا ہو۔

اگر ہم ض، ذ، ز، ظ کے درمیان فرق کو ملحوظ نہ رکھیں۔ ھ، ہ کا امتیاز ختم کریں۔ ق، ک کے حدِ فاصل سے بے زار رہیں۔ س اور ش کے درمیان حدوں کو پھلانگ جائیں س، ص، ث، ت، ط اور ع ا کی مختلف شکلوں کو بلاضرورت بات سمجھ کر متحد المخارج کردیں، اور سرکاری اسکولوں کے ماسٹروں کی طرح ایک لفظ کو دوسرے کے مخرج سے ادا کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کریں، بلکہ عربی کو اردو میں پڑھیں تو یہ بڑے ظلم کی بات ہوگی، اور ہمارا رویہ نہایت غیر ذمہ دارانہ سمجھا جائے گا۔

آواز کے نشیب وفراز، اتار چڑھاؤ میں اسی طرز کو اپنایا جائے جو اہل زبان کے نزدیک معمول بہ ہو، آواز کو ان معانی کے مطابق بنانا چاہیئے جن کو الفاظ کا لباس پہنا کر پیش کیا جارہا ہو۔ استفہام وتعجب، زجر وتوبیخ، لوم وتقریع، تفخیم وتھویل، ندم وتحزین اور وعد ووعید، ان سب چیزوں کا خیال رکھ کر عبارت خوانی کرنی چاہیئے، یہ نہ ہو کہ سند ومتن کو ایک ہی سانس میں پڑھیں۔ جب ہم اپنی زبان میں بول رہے ہوتے ہیں تو مخاطب کے دو تین الفاظ سنتے معلوم کر لیتے ہیں کہ وہ فرحت وسرور کی کیفیت میں ہے یا غم وغصہ اور غیظ وغضب کی کالی گھٹائیں اس کے دل پر چھا گئیں ہیں، پھر کیا جواز ہے کہ عربی زبان بلکہ احادیث رسول ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ روا رکھا جائے؟

بہت کم کوئی ایسا صاحب حدیث ہوگا جو اختلافی مسائل سے ورے اس بات کا بھی اہتمام کرتا ہو کہ حدیث کو اصول حدیث ہی کے نقطہ نظر سے پڑھا اور سمجھا جائے اور معلوم کرے کہ راوی کون ہے؟ لقب وکنیت کیا ہے؟ کس مزاج وطبیعت کے مالک تھے؟ حافظے کا معیار کیا تھا؟ تقوی وتدین میں کس درجے پر فائز تھے؟ ملازمتِ شیخ حاصل ہے یا چلتے چلتے روایت لی؟ متساہل، متشدد اور متعصب ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟ یہ تو شعبہ عبدالرحمن بن مہدی، یحیٰی بن سعید القطان اور ابن مدینی کا کام تھا، میرا مقصد یہ نہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی شعبہ بنے تو کوئی ابن مہدی کی مثل ہو، کوئی ابن حجر کا ہم پلہ بنے تو کوئی انور شاہ کی نظیر ہو۔ رحمهم الله.

اس کا تصور بھی شاید نہ کیا جاسکے جب ہماری حالت زار ہو! لیکن ذرا غور کر کے سوچنا چاہیئے کہ یہ جملہ ہماری زبان پر کیوں آتا ہے؟ کہ یہ تو ان لوگوں کا کام تھا، دنیوی امور میں تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں جان لیوا اور سر توڑ کوششیں کرتے ہیں، کسی نے یہ نہیں کہا کہ قوم عاد وثمود کو تو اللہ نے لمبی چوڑی اور مضبوط جسامت دی تھی، بے مثال قوت عطاء فرمائی تھی، ہم تو کمزور ناتواں ہیں نہیں! نہیں!

وہ اگر پہاڑ تراش کر گھر بنا سکتے تھے تو ہم بھی سنگلاخ پہاڑوں کی زنجیر توڑ کر نہریں کھود سکتے ہیں، سڑکیں بنا سکتے ہیں، ان کی مضبوط جڑیں اور بنیادیں کھوکھلی کر کے معدنیات نکالنے میں کسی سے پیچھے نہیں، پھر کیوں اسلاف کے آباد کیے ہوئے سرسبز وشادات دبستانوں میں داخل ہونے سے گھبراتے ہیں؟

لمحہ فکریہ:

ہم نے اسباب وذرائع کو اصل قرار دیا اور اس غلط فہمی کے شکار ہوئے کہ ہم عالم فاضل بن چکے، حالانکہ صرف، نحو، منطق، فلسفہ، کلام اور معانی اس لئے پڑھائے جاتے ہیں کہ زیر وزبر صحیح پڑھ سکیں، عربیت کے رموز واشارات سے کچھ واقفیت حاصل ہو جائے، مفہوم عبارت سمجھنے کا شعور پیدا ہو۔ یہ مقاصد اصلیہ نہیں، مقاصدِ اصلیہ تو وہ علوم ہیں جن تک پہنچنے سے ہمارا شوق وولولہ تقریباً ختم ہوتا ہے، دل ودماغ جواب دینے لگتے ہیں، اعضاء وجوارح سستی وکاہلی کا پیرہن اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ نہ سند کے رموز واشارات سے واقف، نہ متن کے اسرار کی خبر۔ کم از کم وہ احادیث تو ازبر ہونی چاہئیں جو صوم وصلوٰۃ، وحج وزکوٰۃ، ان کے احکام وفضائل اور اخلاقی مسائل سے متعلق

ہیں۔جن کو''ثانیہ'' سے پڑھتے آرہے ہیں۔

مدرسہ میں آنے سے پہلے بھی بیشتر کو معلوم تھا کہ ارکانِ دین کیا کیا ہیں؟ اختلافی مسائل اور ان کے دلائل اردو شروحات میں موجود ہوتے ہیں اگر کوئی اردو ان کتابوں کا مطالعہ کرے تو وہ بھی کسی قدر بتانے کی جرأت کرسکتا ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے اور دلیل یہ ہے، اردو شروحات کی بھرمار نے تو یہی کمال دکھایا ہے، اگر صرف عبارت پڑھنا اور ترجمہ جاننا ہی علم کہلایا جائے تو پھر سوچنا چاہیئے کہ ہماری آٹھ سالہ محنت کا ثمرہ کیا نکلا؟

حدیث کا مطالبہ:

ہر حدیث ہم سے پانچ چیزوں کا مطالبہ کرتی ہے۔۱: روات کے ناموں کی تصحیح ،۲: رجالِ سند کے حالات کو تحقیق کر کے معلوم کرنا، ۳:متن کے الفاظ کی تصحیح ،۴: صحت وضعف کے اعتبار سے حدیث کا مرتبہ پہچاننا، ۵: حدیث سے مستنبط مسائل واحکام اور فوائد وآداب کی معرفت۔(۲۲)

یاد رہے!:

متن حدیث سے پہلے یہ ناموں کی لڑی، یہ کوئی زنجیر کی کڑی نہیں، یہ نام زینتِ اوراق کے لئے نہیں لکھے جاتے، اسماء الرجال کا فن جس کی دنیا کوئی نظیر پیش نہ کرسکی، آخر اس کا مقصد کیا ہے؟

''صحیح بخاری'' کے ہر صفحہ کے حاشیہ کے آخر میں جو اسماء الرجال کا عنوان لگایا جاتا ہے شاید ہی کسی کی نظر پڑتی ہو! جب یہ معلوم نہ ہو کہ سند کا آخری راوی صحابی ہے یا تابعی تو حدیث کا متصل اور مرسل ہونا کیسے معلوم ہوگا؟ سند تو ایک بنیاد ہے، متن حدیث کے لئے معیار وکسوٹی ہے، اس تک پہنچنے کا راستہ ہے، چھت پر سیڑھی کے بغیر نہیں چڑھا جاسکتا، راستہ معلوم کئے بغیر کوئی راہی رختِ سفر باندھ کر منزل کی طرف روانہ نہیں ہوا کرتا! جب رجال کے احوال سے بے خبر رہیں تو حدیث کا مرتبہ کیسے پہچانیں گے؟ لہٰذا اسماءِ سند اور احوالِ رجال کی تصحیح وتحقیق کے لئے علوم حدیث واصول حدیث کی طرف رجوع کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں، (۲۳) دنیا میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس سے سند ورجال کا تعلق نہ ہو۔

امام ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی اپنی کتاب ''الاعتصام'' میں رقمطراز ہیں:

''محدثین کا یہ قول ..... ''الاسناد من الدین'' اس سے ان کی مراد صرف سلسلہ سند (یعنی حدثنی فلاں عن فلاں) نہیں، بلکہ مقصود ان روات کی معرفت ہے جن سے حدیث شریف نقل کی جارہی ہے تاکہ وہ محدث، جو حدیث بیان کرتے وقت سند ذکر کررہا ہے کسی مجہول، ضعیف اور متہم بالکذب راوی سے روایت کرنے کے بجائے ایسے شخص سے روایت کرے جو ثقہ ہو، کیونکہ سند سے مقصود ہی یہی ہے کہ تمام شکوک وشبہات مٹا کر غالب گمان یہ رہے کہ یہ حدیث آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہے، تاکہ ہم اس پر اعتماد کر کے شریعت کے احکام کو

اس کی طرف منسوب کرسکیں۔'' (۲۴) (گویا کہ یہ حدیث متعلقہ احکام کے لئے بنیاد ہے)

تیسری چیز تھی الفاظ متن کی تصحیح، یہاں فقط صرف ونحو سے کام نہیں بنے گا، اس کی معرفت **فن تصحیف وتحریف**، **فنِ غریب الحدیث** اور **فن الحدیث فیما بعد عصر الروایة** پر موقوف ہے، ان میں سے ہر ایک علومِ حدیث کا مستقل ایک فن اور نوع ہے۔ یہ علوم وفنون کتبِ ستہ پڑھنے سے نہیں آیا کرتے! ہم سمجھتے ہیں کہ وہ دورہ حدیث شریف کرکے کامیاب ومکمل ہوگئے، ہرگز نہیں!! ان علوم کو سمجھنے کے لئے اپنے مأخذ ومراجع ہیں۔ جو شخص نہ اصولِ حدیث پڑھے، نہ رجال پڑھے اور حدیث میں مہارت کا دعویٰ کرے تو وہ غلط فہمی کا شکار ہے۔

چوتھی چیز! جس کی پہچان حدیث پڑھتے وقت ضروری ہے، وہ ہے صحت وضعف کے اعتبار سے حدیث کا حکم پہچاننا۔ اس کے لئے بھی اصولِ حدیث کے در پر دستک دینا ہوگی۔

پانچویں اور آخری چیز! حدیث سے مستنبط شدہ مسائل واحکام فوائد وآداب کی معرفت ہے۔ یہی غرضِ اوّل اور ثمرہ حدیث ہے، اس کی معرفت اگرچہ اصولِ حدیث پر موقوف نہیں لیکن ثمرہ تب آتا ہے جب درخت میں صلاحیت ہو اور شجرۂ حدیث امور اربعہ کی تحقیق اور اصولِ حدیث کے پانی سے سیراب کئے بغیر پھل دار نہیں بنتا۔ (۲۵)

یاد رہے! اسماءِ سند اور متن حدیث کی درستگی شرعاً بھی مطلوب ہے اور عقلاً بھی اور کیوں نہ ہو؟ جبکہ حدیث نبوی میں لحن وتصحیف کرنے والوں کا فرمان نبوی'' **من كذب علي.....**'' (۲۶) کے تحت داخل ہونے کا خطرہ ہے، اور حدیث کا رتبہ معلوم کئے بغیر روایت کرنے والا نبی کریم ﷺ کے فرمان ''**كفى بالمرء كذباً أن يحدث بكل ما سمع**'' (۲۷) اور **من حدث عني بحديث يرى أنه كذب فهو أحد الكاذبين**''. (۲۸) کے تحت داخل ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ موضوع حدیث بیان کررہا ہو۔ لہٰذا علومِ حدیث سیکھنے سے جی چرانا دانشمندی نہیں، علم میں رسوخ کے طالب اس سے فرار نہیں اختیار کرسکتے۔

منفی سرگرمیوں کا سدباب کیسے ہو؟

مستشرقین ومنکرین حدیث احادیث نبویہ کے مضبوط قلعہ کی بنیادیں کھوکھلا کرنے کے لئے برسرپیکار ہیں، امریکن اور یورپین یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ اور یہود ونصاریٰ کے تربیت دادہ شاطر وطرار لوگ اپنے مفروضات کی بنیاد پر ''مجموعۂ حدیث'' کو مسخ کرنے اور ''زمانہ بعد'' کی پیداوار ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں، ان کے دجل وفریب کا منہ توڑ جواب دینا، اور ان کی افتراء پردازیوں اور دسیسہ کاریوں کے تیروں کو ان کے غلاظت بھرے سینوں سے پار کردینا ''علومِ حدیث'' پر عبور حاصل کئے بغیر ممکن نہیں۔

ہمارے کتنے مسلمان بھائی اس ''کاروانِ گمراہی'' کے ہم سفر ہوگئے! بلکہ ملک کے قدیم مشہور ومعروف مدارس سے فارغ شدہ فضلاء بھی اس الحاد وزندقہ کے سیل رواں میں بہہ پڑے اور ضلالت وگمراہی کے سنسنی خیز وبھیانک بھنوروں میں پھنس گئے، **أعاذنا الله من شر هذه الفتن ما ظهر منها وما بطن**. ساتھ ہی دورِ حاضر کا گمراہ کن فرقہ جو ''غیر مقلدین'' کے نام سے مشہور ہے (جس نے مسلمانوں

کی صفوں کو منتشر کرنے اوران کی وحدت وجمعیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں کوئی لحظہ فروگذاشت نہیں کیا!) اس کے منہ پر طمانچہ مار کر، اس کے تابڑ توڑ حملوں کو روکنے اوراس کی عیاری ومکاری کو بے نقاب کرنے کے لئے بھی علومِ حدیث پر دسترس ضروری ہے۔

حوالہ جات :

۱ : سورة عنكبوت /۳۸ . ۲ : سورة آل عمران /۸۵.

۳: سورة الحجر /۹. ۴:سورة الأعراف /۱۰۷ .

۵:سورة الجمعة ......۲. ۶:سورة البقره /۱۳۸ .

۷:مشكاة المصابيح، كتاب الفتن ، باب : ۲۹، مناقب الصحا بة صفهه ۵۵۴، ناشر ايچ ايم سعيد كراچی.

۸:حياة الصحا بة ، للعلامة الداعية الكبير محمد يوسف الكاندهلوى متوفى ، (۱۳۸۴ھ) التر غيب فى العلم . (۳۵۱/۳) كتب خانه فيضى لاهور.

۹ :سنن ابى ماجه، للا مام الحافظ محمد بن يزيد القزوينى ، (۲۸۳ھ) باب ذكر و فاته ، ودفنه ﷺ ، صفحه ۱۱۷ ، قديمى كتب خانه . ۱۰ : حياة الصحا بة ، التر غيب فى العلم ۲۷۸/۳.

۱۱ :الجامع الصحيح ،للامام البخارى .(۲۵۶ھ) ۴۵/۱، قديمى كتب خانه .

۱۲ : الجامع الصحيح ، للامام البخارى، ۱۹/۱ .

۱۳ : الا علام، خير الدين الزر كلى، ۲۸۱/۲ ، مكتبه دارالعلوم بيرت.

۱۴ : حجيت حديث ، تصنيف ، شيخ الاسلام علامه محمد تقى عثمانى ، ص ۱۰۹ ، ادرهٔ اسلاميات .

۱۵ : مسند الامام أحمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) رقم الحديث ۳۸۱۴ . جلد ثانى ص ۷۱، علم الكتب .

۱۶ : الجامع لأخلاق الراوى وآداب السامع ، الخطيب البغدادىؒ (۴۶۳ھ) صفحه ۴۰۵ تحقيق صلاح عويضه ، دارالكتب العلمية بيروت .

۱۷ : لمحات من تاريخ السنة و علوم الحديث ، بقلم عبدالفتاح أبو غدةؒ (۱۴۱۷ھ) صفحه ۱۳۶ ، ناشر مكتب المطبوعات الاسلامية، حلب ،چوتها ايڈيشن .

۱۸ : معرفة انواع علم الحديث للامام الحافظ ابن الصلاحؒ (۶۴۳ھ) صفحه ۷۵ دارالكتب العلمية بيروت.

۱۹ : لمحات من تاريخ السنة علوم الحديث ، صفحه ۱۶۱ .

۲۰ : لمحات من تاريخ السنة وعلوم الحديث ، صفحه ۱۶۱ .

۲۱: مسدس حالی، صفحہ ۴۳، مکتبہ خلیل اردو بازار لاہور.

۲۲: المدخل الی علوم الحدیث الشریف، بقلم محمد عبدالمالک أطال الله عمره. صفحہ ۱۵، مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ دھاکہ بنگلہ دیش.

۲۳: المدخل الی علوم الحدیث الشریف، بقلم محمد عبدالمالک. أطال الله عمره. صفحہ ۱۶، مرکز الدعوۃ الاسلامیہ دھاکہ بنگلہ دیش.

۲۴: بحواله، لمحات من تاریخ السنة وعلوم الحدیث، صفحہ ۱۳۰.

۲۵: المدخل الی علوم الحدیث الشریف، بقلم محمد عبدالمالک. أطال الله عمره. صفحہ ۱۵ مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ دھاکہ بنگلہ دیش.

۲۶: مسند الامام أحمد بن حنبلؒ، رقم الحدیث، ۳۸۱۴، (۲/۷۱)

۲۷: مقدمة صحیح مسلم، ۱/۸، قدیمی کتب خانہ. ۲۸: مقدمة صحیح مسلم، ۱/۸، قدیمی کتب خانہ.

نرخنامہ برائے اشتہارات

بین الاقوامی معیار کا تحقیقی سہ ماہی مجلّہ

''المباحث الاسلامیہ (اردو)''

Ret List for Advertisement

Quarterly International Magazine ALMABAHIS-AL-ISLAMIA

(1) آخر صفحہ رنگین.....4000 روپے (2) اندرون آخر صفحہ رنگین.....3000 روپے

(3) اندرون صفحہ اول رنگین.....3,000 روپے (4) مکمل صفحہ سادہ.....1500 روپے

(5) آدھا صفحہ سادہ.....1000 روپے (6) ایک تہائی صفحہ سادہ.....500 روپے

یہ پاکستان اور دنیا بھر کے لائبریریوں کا واحد منتخب اسلامی تحقیقی مجلّہ ہے۔

اپنے کاروبار کی تشہیر کے لئے سہ ماہی مجلّہ ''المباحث الاسلامیہ (اردو)'' میں اشتہار دے کر ہم خرما وہم ثواب کے مصداق بنیں۔

برائے رابطہ: دفتر جدید فقہی تحقیقات، جامعہ المرکز الاسلامی پاکستان بنوں

فون: 0928-331353 فیکس: 0928-331355 ای میل: almubahisulislamia@yahoo.com

فتویٰ دینے کے اصول وضوابط

بسلسله شعبه تحقیق جامعه هذٰا

کن کتابوں سے فتویٰ دینا درست ہے؟ فقہاء کرام نے مفتی پر یہ لازم کیا ہے!

جب وہ کسی مسئلہ کا جواب دینا چاہے تو جواب دینے سے پہلے کتاب دیکھنے کے لئے چند امور کو پیشِ نظر رکھیں۔

(۱) کتاب کے مصنف کا حال اس کی ثقافت وفقاہت معلوم ہو اگر مصنف کا حال معلوم نہ ہو تو اس پر فتویٰ دینا درست نہیں۔

(۲) وہ کتاب حد سے زیادہ مختصر نہ ہو جس کی تفسیر کے لئے مراجعت کی ضرورت پیش آئے۔

(۳) وہ کتاب جو رطب ویابس صحیح وضعیف راجح مرجوح کو بلا امتیاز جمع کرنے والا نہ ہو ورنہ اس کتاب سے فتویٰ دینا درست نہیں۔

(۴) وہ کتاب اس زمانہ میں نادر الوقوع نہ ہو یعنی اس زمانے میں اُس کتاب کا وجود ہو اگر وہ کتاب ناپیدہ ہو تو اس سے فتویٰ دینا درست نہیں۔

(۵) اور اس طرح اس کتاب سے فتویٰ دینا صحیح نہیں جس میں زیادہ تر ضعیف اقوال جمع ہو۔

اس لئے علامہ عبدالحیؒ الکھنوی نے مقدمہ النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر میں ان کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں:

(۱) شرح کنز لملا مسکین شرح الوقایہ لابی المکارم فتاویٰ صحاری وغیرہ ان کتابوں سے فتویٰ دینا اس وقت تک درست نہیں جب تک اس جزئیہ کا وجود دوسرے معتمد کتابوں میں نہ ہو شرح مختصر الوقایہ لابی المکارم کے بارے میں علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں۔

ابو المکارم فانه رجل مجهول و کتاب کذلک .(تنقیح الحامد یه ۲/۳۵۶)

مختصر کتابوں پر فتویٰ دینا جائز نہیں جیسے:

(۲) نهر ، شرح کنز العینی الدر المختار شرح تنویر الا بصار الا شباه و النظائر لابی نجیم وغیرہ آگے فرماتے ہیں۔

واما لکتب المختصر باالا ختصار المخل فلا یفتی منها الا بعد نظر عائد وفکر دائر . ولیس ذلک لعدم اعتبارها بل لان اختصاره یو قع المفتی فی الغلط کثیر اً.

اسی طرح حضرت مولانا عبدالحی مقدمہ عمدۃ الرعایۃ میں ان کتب کا نشاندہی کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔

فائده قال فی ردالمحتار نقلاً عن شرح الاشباه للشیخ هبة الله العلی قال شیخ العلا مة صالح لایجوز الافتاء من الکتب المختصرة کا النهروشرح الکنز للعینی والدر المختار شرح تنویر الابصار او لعدم الا طلا ع علیٰ حال مصنفها کشرح الکنز لملا مسکین وشرح النقایة للقسهتا نی اور قل الاقوال الضعیفة فیها کالقینه للزاهدی فلا یجوز الافتاء من هذه الا اذا علم المنقول عنه و أخذه منه: ثم قال وینغی الحاق الأشباه و النظائر

بها فان فيها من الا يجاز فى التعبير مالا يفهم معنا ه الا بعد الا طلا ع علىٰ مأخذه بل فيها فى مواضع كثيره الا يجازه ٢٦ المخل يظهر ذالك لمن مارس مطا لعتها مع الحواشى فلا يأمن المفتى من الو قو ع فى الغلط اذا اقتصر عليها فلا بدله من مراجعة ماكتب عليها من الحواشى اوغير ها،انتهىٰ.

وفى تذكر ةالموضوعاً لعلى القارى المكى من القواعد الكليه ان نقل الاحاديث النبويه والمسائل الفقهيه والتفا سير القرأنية لا يجوز الا من الكتب المتد اولة بعدم الاعتماد علىٰ غيرها من وضع الزنا دقه والحاق الملاحدةٌ بخلاف الكتب المحفوظة فان نسخهما صحيحة متعد ة. أه، انتهىٰ ، مقدمه عمدة الرعاية ص ١١ .

مقدمه النافع الكبير ٢٠ :

اور جب مفتی مختصرات کے مراجع تک پہنچ جائے اور مسئلہ کے تہہ تک رسائی ہو جائے تو پھر اس سے فتویٰ دینا صحیح ہے۔

(۵) اوران کتابوں سے فتویٰ دینا درست نہیں جس میں ضعیف اقوال منقول ہو۔مثلاً (فتاوىٰ قنسيه للذاهدى) .

اس سے اس وقت تک فتویٰ دینا درست نہیں جب تک اس کے مأخذ اور کتب معتمدہ سے مؤیدات کا پتہ نہ چلے۔

تنبیہ:۔قنیہ کے مصنف مختار بن محمود بن محمد ابوالرجاء نجم الدین الزاہری معتزلی حنفی الفروع تھے۔

علامہ طحطاوی ان کے مصنف فتاویٰ قنسیہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ان القنيه ليست من كتب المذهب المعتمده طحطاوى حاشيه درالمختار.(بحواله مقدمه النافع الكبير /١٨ .)

اورعلامہ ابن عابدین فرماتے ہیں۔

الحاوى للزاهدى مشهور بنقل الروايات الضعيفة تنقيح الحامديه(بحواله مقدمه نافع الكبير /١٨ .)

اورابن حبان وغیرفرماتے ہیں۔

انه لا عبرة بما يقوله الزاهدى مخالفا لغيره .(مقدمه نافع الكبر/١٨ .)

۳:اس طرح ان کتابوں سے فتویٰ دینا جائز نہیں جس میں صحیح ضعیف اقوال کو بلا امتیاز جمع کیا گیا ہو۔

مثلاً جامع الرموز للقهستانى ، خزان الروامات ، شرعة اسلام ،مطالب المؤمنين ،كنزالعباد ، مشتمل الاحكام، السراج الو هاج وغیرہ۔

جامع الرموز للقهستانى کے بارے میں فرماتے ہیں۔

انه لم يكن من تلامذة شيخ الاسلام.الهروى لامن اعا ليهم ولا ادا ينهم انما كان دلال الكتب فى زمانه ولا كان يعرف الفقه ولا غيره بين اقرانه ويؤيده' انه يجمع فى شرحه هذا.

بین الغث والسمین والصحیح والضعیف من غیر تصحیح ولا تد قیق فهو کحاطب الیل جامع بین لرطب والیالیس . فی النیل وهو العوارض فی ذم الرواض .(مقدمه نافع الکبیر ۱۸۰/۷).

اسی طرح مولانا عبدالحیؒ مقدمۃ عمدۃ الرعایۃ میں ارقام فرماتے ہیں:

قال: ابن عابدین فی تنقیح الفتاویٰ الحا مدیه فی بحث کراهته لبس الثوب الدحمر فی اثناء الرد علیٰ الثر بنادولی ابقائل بجوزا امستنبد الی کلام ابی المکارم والقهستانی علیٰ ان الذین یجب علیٰ المقلا اتبادله مذهب امامه والظاهران ماثقل هؤلاء هو مذهب الامام لا مابثقله ابو المکارم فانه رجل مجهول وکتابه کذالک والقهستانی کجارف سیل وحاطب لیل خصوصاًواستناده الیٰ کتب الزاهدی المعتزلی ومثله فی مقدمة عمدة الرعایة ص ۱۱)

اور علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں فالقهستانی کجارف سیل وحاطب لیل تنقیح الحامد یه ۳۵۶/۲)

شیخ عبدالحیؒ خزانة الروامات شرعه الاسلام اور مطالب المؤمنین کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فان هذه الکتب مملوءة من الرطب والیا لبس مع ما فیها من الاحادیث المخترعه ولا خبار المختلفة.

(مقدمه نافع الکبیر ص ۲۰)

کنز العباد کے بارے میں فرماتے ہے:

فانه مملوءة من المسائل الوا هیة والا حادیث المو ضوعة لاعبرة له' لا عند الفقهاء ولاعند المحدثین .

قال علی القاری فی طبقات الحنفیة علی بن احمد الغوری له کتاب جمع فیه مکروهات المذهب سماه مفید المستفید وله کنز العباد شرح الاورا د قال العلامة المر شدی فیه احادیث موضوعة لا یحل سماعها.

(مقدمه نافع الکبیر ص ۱۹ .

مشتمل الاحکام لفخر الدین الروی کے بارے میں مولی برکلی نے اس کتاب کو کتب واهیہ میں شامل کیا ہے۔

السراج الوهاج شرح مختصر القدوری کو علامہ برکلی نے کتب متداولہ ضعیفۃ غیر معتبرہ میں شمار کیا ہے یہ کتاب آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

(مقدمہ نافع الکبیر ص ۱۹)

وکذافی العمدة . ومنها السراج الوهاج شرح مختصر القدوری من مؤلفات ابی بکر بن علی الحدادی التوفی سنة ثما نما شرح کما نقله صاحب کشف الظنون عن المولی البر کلی.

ومنها خلاصة الکیدانی المنسوبة الی نطف الله السنفی فانها وان اشتهرات فی بلاد ماور اء السنهر اشتهارا وتداولتها فیما بینهم حفظا واستذ کارا لا انه لم یعرف الیٰ الأن حال مؤلفتها مو هو وکیف هو وهل هو ممن

یسند بتضیفه اوهو ممن یضرب به المثل المشهور ان من لایعرف الفقه ضفه فیه کتابا ......ثم قال العلامة عبدالحیؒ بعد اسطر والذی ینادی باعلیٰ نداء علیٰ انها رسالة غیر معتبرة وان مؤلفها لایخلو اما ان یکون ممن لا مما رسة له بالمسائل ولا علم له بالدلائل واما ان یکون لم یلزم فیها التحقیق والتنقیح وان کان فی نفسه من ارباب التر جیح مطالقه هذه الرسالة من اولها الیٰ اخرها والا ضلاع علیٰ مائلها الشهادة واحکامه الفا ذة فان فیها .

شامیؒ صاحبؒ خلاصة کیدانی:

مسائل مخالفة لظاهر الروایة ومباینة لکتب المعتبره الا تریٰ الیٰ انه عرف الواجب فی مفتح الرسا لة بما ثبت بدلیل فیه شبهة وذکر انه حکمه حکم الفرض عملاً (اعتقاد) ثم ذکر فی الباب الثانی المفعقد لبیان واجبات الصلوٰة من جملة الواجبات لفظ الکبیر للتحیرعة .وهذا مخالف لا کثیر الکتب المعتبرة فانهم صرحوا با جمعهم أن لفظ الکبیر سنته لاواجب ولا شرط. وعرف الحرام فی مفتح رسالة مما ثبت النهی فیه بلا معارض وذکران حکمه الثواب بالترک والعقاب بالفعل والکفر بالا ستحلال فی المتفق علیه ثم ذکر فی الباب الخامس المنعقد لتعداد المحرمات منها الجهر بالتسمیة والا لتفات یمینا وشمالاالا ستحویل بعض الوجه والا کا ء علی الاسطوانه والیه ونحوه بلا عذر ورفع الیدین فی غیر ما شر ع ورفع الا صابع فی الرکوع والسجود والجلوس علیٰ عقبیه لتشهد والا شارة بالسبا تر فی التشهد والزیادة بعد التکبیر والثناء وهذا کله مخالف لا کثیر الکتب المعتبرة بل کلها فانهم عدوا اکثر هذا الا شیاء فی المکروهات واجفها یس بمکروه ایضاً علیٰ القول الصحیح الذی لیس ماسواه الا غلطا قبیحا کا الا شارة بالسبابة اولم یعلم ان تعریف الحرام الذی ذکره لیس بصادق علیٰ اکثرها فأی زیادة الوذ کار علیٰ الثناء وغیره ونظائر هذا فی تلک الرسالة کثیر ة شاهدة علیٰ الخفا جامعة للغث والسمین من غیر فرق بین الشمال والیمین آه.(مقدمه عمدة الرعایة ص ۱۲ ۱۳ ۱۴).

فتاویٰ ابن نجیم اور فتاویٰ الطّوری جس کوعلامہ ابن عابدین نے فتاویٰ شام میں کتب غیر معتمدہ میں شمار کیا ہے۔

اوراسی طرح فتاویٰ صوفیہ جوفضل اللہ محمد ابن ایوب کی تصنیف ہے۔مولیٰ برکلی اس کے بارے میں میں فرماتے ہیں۔

الفتاوی الصوفیة لیست من الکتب المعتبرة فلا یجوز العمل بما فیها الا ازعلم موافقها للا صول.(مقدمه نافع الکبیر ص ۲۰)

اس طرح جس کتاب کانسخہ نادرالوقوع ہوکسی زمانہ میں اس کا وجود نہ ہوتو اس قسم کے کتابوں سے فتویٰ دینا جائزنہیں ہیں۔مثلاً محیط برھانی اگرچہ اس کا مصنف جلیل القدرفقیہ ہے۔اوران کا شمار مجتہدین فی المسائل میں ہوتا ہے۔لیکن علامہ ابن نجیم مصری اورعلامہ ابن الھمامؒ

نے اس سے فتویٰ دینے سے منع کیا ہے۔ اگر چہ اولاً اس کے بارے میں شیخ عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں۔

(لکھنہ نصوا علی انہ لایجوز الافتاء منہ لکو نہ مجموعاً للرطب والیاس. (مقدمہ نافع الکبیر ص ۱۶).

لیکن بعد میں آپ کی رائے بدل گئی اور فرمایا:

فقد وفقی اللہ بعد کتابۃ ھذہ . الرسالہ بمطالع محیط البر ھانی . فرأیتہ لیس جامعاً للرطب . والیالیس بل فیہ مسائل منقحۃ. وتفاریع مرجعۃ لوتأملت فی عبارۃ فتح القدیر وعبارۃ ابن نجیم فعلمت أن المنع من لافتاء من لیس کونہ جامعاً للغث والسمین بل لکونہ مفقوداً نادر الوجود فی ذلک العصر امرٌ. یختلف بحسب اختلاف الزمان فلیحفظ ھذا. مقدمہ نافع الکبیر ص ۱۶)

مگر اس زمانے میں جو نئی اشاعت بنائی ہے اور تخریج وتحقیق کا مکمل خیال رکھا گیا ہے اس سے حوالہ دینے کے لئے اکابر کے مشورے پر عمل کیا جائے۔

لہٰذا اس زمانے میں جو کتاب ناپید ہو مثلاً کتب النوادر للامام محمدؒ والامالی لابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ جو کتاب نایاب ہو تو اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں۔

اس لئے علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں۔ فلا یجوز الافتاء فی کتب الغریبہ . ردالمختار ۱/۸۰)

اور علامہ فرماتے ہیں۔ لایجوز الفتویٰ من التصانیف الغیر المشھور مقدمہ شرح الوقایۃ ۱/۱۱).

ہاں اگر اس قسم کے نادر الوقوع کتابوں کے عبارات کا حوالہ کتب مشہور مثلاً ہدایہ، مبسوط للسرخسی وغیرہ میں موجود ہو تو پھر استدلال کرنا جائز ہے۔

چنانچہ علامہ ابن الھمام فرماتے ہیں۔

فعلی ھذا لووجدنا بعض نسخ النوادر فی زماننا لایحل وما فیھا الی محمد لا الی ابی یوسف لانھا لوتشھر فی مصر نافی دیارنا ولم تتداول نعم اذاوجد النقل عن النوادر مثلاً فی کتاب مشھور معروف کا لھدایہ والمبسوط کان ذلک تعویلا علی ذلک الکتاب فتح القدیر ۶/ ۳۶۰.

اسی طرح مولانا عبدالحیؒ مقدمہ عمدۃ الرعایہ میں ارقام فرماتے ہیں:

" فعلی ھذا لووجد بعض نسخ النوادر فی زماننا لایحل عزو ما فیھا الیٰ محمد ولا الی ابی یوسف لانھا لم تشھر فی زمانا فی دیارنا. نعم اذا اوجد النقل عن النوادر مثلاً فی کتاب مشھور کالھدایۃ والمبسوط کان ذالک تعویلاً علیٰ ذالک الکتاب اھ". (مقدمۃ عمدۃ الرعایہ ص ۱۱)

خلاصہ کلام:

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ جن کتابوں میں ضعیف اقوال کی اکثریت ہے یا اس میں رطب و یابس کا بالا امتیاز مجموعی ہو یا اس کے مصنف کا حال اور فقاہت کا حال معلوم نہ ہو یا اس کا نسخہ اس زمانے میں نادر الوقوع ہو۔ تو اس کتاب سے حوالہ دینا اور اس سے استدلال کرنا اصول افتاء کی رو سے ناجائز ہے تاہم اگر ان کتابوں کی تائید مشہور معروف معتمد کتب سے ہوتا ہو تو پھر اس صورت میں جائز ہے۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن مفتی اول دارالعلوم دیوبند اکثر مسائل میں حوالہ وشامی اور درمختار سے نقل کیا کرتے تھے۔ اور اس پر زیادہ اعتماد فرماتے تھے۔ چنانچہ مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا طفیر الدینؒ فرماتے ہیں۔ یہی حوالہ کا ہے کہ اگر وہ مشہور مسئلہ ہے۔ یا کوئی عام شخص پوچھتا ہے تو حوالہ نہیں درج کرتے ورنہ جگہ جگہ حوالہ بھی درج کرتے ہیں۔ اکثر آپ کے پیش نظر درمختار اور شامی ہے۔ (مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ج۱/۱۲۳) اضافہ فی الافادۃ اسی طرح صرف قواعد وضوابط سے فتویٰ دینا درست نہیں بلکہ صریح جزئیہ کی تلاش مفتی پر ضروری ہے۔

کما قال العلامة عبدالحی الکنویؒ قوله: وفی حواشی السید احمد الحموی علیٰ الاشباه والنظائر نقلاً عن الفوائد الزینیه لمؤلف الأشباه ابن نجیم المصری لایحل الافتاء من القواعد والضوابط وانما علیٰ المفتی حکایة النقل الصریح کما صرحوابه انتهیٰ. وفیها ایضاً فی موضع اٰخر لا عبرة بما فی کتب الاصول :اذا خالف فی کتب ماذکر الفروع کما صرحوا به وفیها ایضاً فی موضع اٰخر لا عبرة بما فی کتب الاصول. اذاخالف فی کتب ماذکر الفروع کما صرحوا به وفیها ایضاً فی موضع اٰخر نقلاً عن بعض رسائل مؤلف الأشباه لایجوز الافتاء من التصانیف المشهورة آه مقدمه عمدة الرعایه ص ۱۱)

کتب مذکورہ سے اخذ اور فتویٰ دینے کا حکم:

حضرت العلامة مولانا عبدالحی الکنویؒ ان کتب غیر معتبرہ کے تفصیلی فہرست ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں. قوله: والحکم فی هذاالکتب الغیر ہ' وأمثالها اما لعدم الا طلاح علیٰ حال مؤلفیها. واما لثبوت عدم اعتبار مصنفیها واما لجمعها بین الرطب الرطب والیاس واحتوائها علیٰ مسائل شاذة واما لغیر ذلک ان یؤخذه ماصفا منها ویترک مکدرمنها وان لایؤخذ بمافیها الا بعد التأمل والفکر الغائر. ولحاظ عدم فی الفقه الالصول والکتب المعتبر. (مقدمه عمدة الرعایة ص ۱۳ فائده.)

مرتب عظمت اللہ بنوی
استاد شعبہ تخصص فی الفقہ والافتاء بجامعہ المرکز الاسلامی

ڈاکٹروں کے لئے شرعی قوانین

ڈاکٹر عبدالرحمن جمیل قصاص
اُستاد جامعہ اُم القریٰ(مکّة المکرمه)
مترجم مولانا محمد ریاض
مدرس جامعه المرکز الاسلامی

طبیب وہ ہوتا ہے جو طب کے اندر مشغول ہو اور طب جسم اور نفس کے علاج کا نام ہے۔لغوی طور پر " طبّـہ، طبّاً"، یعنی جب اس کا علاج کیا جاتا ہے۔اور اصطلاحی طور پر طب چیزوں کے اندر مہارت اور علم کا نام ہے۔اور اسی لئے جو کسی چیز کے اندر مہارت اور اس چیز کا علم بھی اس کے پاس ہو طبیب کہا جاتا ہے۔اور طبیب کی جمع اَطباء اور اطبة ہے۔اَطباء جمع کثرت اور اَطبہ جمع قلت ہے۔

اور عربی لغت کے اندر طب کے اور استعمالات بھی ہیں۔

بشری زندگی کے اندر علم طب اہم علوم میں سے شمار ہوتا ہے۔لوگ اس سے لاپرواہی نہیں کر سکتے۔اور اس کے صحیح تطبیق سے عظیم مصالح اور بڑے فوائد حاصل ہوتے ہیں۔جن میں صحت کی حفاظت اور انسانی بدن کا امراض اور مختلف بیماریوں کے ضرر سے بچانا شامل ہے۔تو اس سے مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا کے کاموں کے لئے قوت حاصل کرتا ہے۔

اور ان مصالح اور منافع کو مدنظر رکھتے ہوئے شریعت نے اس علم کو سیکھنے کی اجازت دی ہے۔امام ابن رجوة رحمۃ اللہ نے فرمایا:

''طب ایک عملی اور نظری علم ہے چونکہ اس میں صحت کی حفاظت اور جسم سے مختلف امراض کو دفع کرنا مقصود ہے اس لئے شریعت نے اس کو سیکھنے کی اجازت دی ہے''۔

علم طب کو سیکھنے کی مشروعیت پر دلائل: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ترجمہ:''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی شخص کو بلا قصاص، بلا بادلہ دوسرے شخص کے یا بغیر کسی فساد کے (جو زمین میں اس سے پھیلا ہو) قتل کر ڈالے تو گویا اس نے عام آدمیوں کو قتل کر ڈالا''۔

ابوسعود رحمۃ اللہ علیہ نے ''ومن أحیاها'' کے تفسیر میں لکھا ہے یعنی ایک ایسے نفس کی بقاء کا سبب ہے جو زمین کے آندر قتل وفساد کے ذکر سے موصوف نہ ہو اس کے قاتل سے منع کرتے ہوئے یا ہلاکت کے اسباب سے نکالتے ہوئے۔

علم طب حاصل کرنا نفس کو زندہ کرنے اور اس کو ایسی ہلاکتوں سے نکالنے (جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمائی ہے) کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے۔

اور حضور پاکؐ کے مبارک طریقوں میں ایسی احادیث موجود ہیں جو علم طب کے تعلیم کی مشروعیت پر دال ہیں۔اور اسی لئے وہ احادیث

جمع کی گئیں اور اس کو ایک مستقل کتاب کی شکل دی گئی جو طب نبوی کے نام سے موسوم ہے۔اس میں ایک کتاب طب نبوی ابن القیم اور دوسری طب نبوی امام السیوطیؒ کی ہے اور اس کے علاوہ اور تصانیف بھی موجود ہیں۔

اور اسی لئے اکثر اہل علم نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے۔امام نوویؒ نے فرمایا''اور جہاں تک علوم عقلیہ ہیں تو ان میں سے بعض فرض کفایہ ہے جیسا کہ طب اور حساب جس کی لوگوں کو حاجت ہے''۔

امام غزالی نے فرمایا''اور یہ بات مقدور التسلیم ہے کہ علم طب اور حساب فرض کفایہ میں سے ہیں چونکہ حرفت اور صناعت جن کا ہونا تو لوگوں کے لئے معیشت (زمینداری) کے اندر بہت ضروری ہے فرض کفایہ ہے تو طب اور حساب بدرجہ اولیٰ فرض کفایہ ہیں۔

اور لوگ ہر دور میں اور ہر جگہ پر علم طب کے محتاج ہیں مگر زمانے اور احوال کے تبدیل ہونے پر اس کی احتیاج میں بھی تفاوت آتا ہے۔اور مسلمانوں کو اب بھی مختلف شہروں میں ایسے اُطباء کی ضرورت ہے جو ان کے مریضوں کا علاج اور زخمیوں کی مرہم پٹی کر سکے۔اور اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کفر ممالک سے اطباء بلوانے پر مجبور ہو گئے۔اور یہ بات علم طب کی اہمیت کو آوراجاگر کرتا ہے۔

وہ اہم امر جو علم طب کے تعلیم کو فرض کفایہ کا درجہ دیتا ہے اور فقہاء متقدمین نے بھی جس کا تذکرہ کیا ہے ابھی تک باقی ہے حتی کہ موجودہ حاجت پوری کی جائے اور مسلمان کفار اطباء بلوانے سے مُستغنی ہو جائے۔

اگر چہ ابھی تک یہ حاجت پوری نہ ہو سکی مگر پھر بھی آج کل اکثر اسلامی ممالک نے ان کے جامعات میں طبی شعبہ کی طرف توجہ دی ہے تا کہ یہ حاجت پوری ہو سکے۔

اور اسی وجہ سے فقہاء کرام نے علم طب کو فرض کفایہ کا درجہ دیا ہے۔اور بات اسی پر ختم نہیں بلکہ بہت سے نفوس کو اس کے لئے تیار کیا اور ان کی ہمتوں کو نئی زندگی دی حتیٰ کہ امام شافعیؒ نے فرمایا''حلال اور حرام کے بعد علم طب سے اور کوئی اہم علم نہیں''۔

فقہاء اسلام نے اس علم کو سیکھنے،سکھانے اور تالیف کرنے کا بڑا اہتمام فرمایا ہے۔خاص طور پر طب نبوی کا ان ائمہ اعلام میں امام شافعیؒ بھی ہے۔ان کے زمانے کے بعض اُطباء سے منقول ہے۔کہ آپؒ ایک دفعہ شہر تشریف لائے تو علم طب پر اتنا زور دیا کہ میں گمان کرنے لگا کہ آپؒ علم طب کے مقابلہ میں دوسرے علوم کو کم سمجھتے ہیں۔

امام موفق الدین بغدادیؒ نے فرمایا: کہ امام شافعیؒ علم شریعت میں اپنے جلال وعظمت،عربیت میں کمال اور علم طب میں بصارت کے ساتھ موصوف تھے۔

اور عالم اسلام میں ایک ماہر مسلم طبیب کی موجودگی اور دور عظیم میں اس کے لوازمات کی اہمیت کے لئے علماء نے اس عظیم محنت کے اخلاقیات اور وہ صفات جو طالب علم کی شخصیت کے لئے ضروری ہے کو اجاگر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔اور اس مبحث میں ان نشانیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو کہ ایک مسلم طبیب کے اخلاق کے لئے لازم ہیں۔

ان میں بعض یہ ہیں۔

(۱) اخلاص:۔ ایک مسلم طبیب پر یہ بات لازم ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں نیت کو خالص کرنا نہ بھولے۔ اس لئے کہ وہ ایک عظیم کام سرانجام دے رہا ہے۔ تو اس کے لئے نیت کا استحضار بڑا ضروری ہے۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ اس کام سے اس کو بڑا مرتبہ، تنخواہ اور منصب حاصل ہو جائے بلکہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے امراض اور تکلیفات کو ختم کر دے اور ان مریضوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں جو ان کے زیر علاج ہے۔ اخلاص نیت بندہ کو راہ راست پر لاسکتا ہے اور اس کے بغیر بندہ گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اور اپنے نفس کے حوالے ہو جاتا ہے۔

(۲) اللہ تبارک وتعالیٰ پر توکل:۔ شفاء اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ''جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے''۔ (الشعراء: آیت نمبر ۸۰)

اور طبیب اس وقت اپنے راستے سے ہٹ جاتا ہے جب وہ اللہ کے ارادہ کے بغیر اپنے طب پر اعتقاد رکھتا ہے۔ تاج الدین سبکیؒ نے فرمایا ''طبیب کے لئے یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ اس کا طب اللہ تعالیٰ کی چاہت اور قدرت کو نہیں للکار سکتا بلکہ وہ تو صرف شریعت کی اتباع کرتے ہوئے اپنا کام سرانجام دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیماری اور اس کی دوا دونوں کو نازل فرمایا ہے۔

ابوبکر الرازیؒ نے اپنی مقولہ طبیب کے اخلاق میں اس نقطہ کی مزید وضاحت فرمائی ہے وہ فرماتے ہے ''طبیب اپنے علاج کے اندر اللہ رب العزت کی ذات پر توکل کریں اور شفا کی اُمید باندھے ہر امر میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد رکھیں اور قوت وعمل پر بھروسہ نہ کریں۔ اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرنی چاہیے کہ شافی اللہ ہی کی ذات ہے اسی کے ہاتھ میں شفا ہے۔ اور دوا اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

عبدالرؤوف مناویؒ نے فرمایا'' دوائی قدرت کی طرف سے ہے اور یہ نفع بخش ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس کو چاہے جس دوائی سے چاہے نفع دے تو کبھی کبھی اتحاد علت والدوا ہوتی ہے مگر شفاء اسی کو ملتی ہے جس کو اللہ کی ذات چاہتی ہے اس لئے کہ شافی وہی ہے اور دوا اسباب میں سے ایک سبب ہے۔

(۲) معالج کے اندر اہلیت کا وافر مقدار میں ہونا:۔ اہل علم نے طبیب کے اخلاقیات میں اس کی لیاقت اور اہلیت کو شرط قرار دیا ہے اور ان لوگوں سے لیا ہو جن کو اس فن کے اندر خصوصیت اور مہارت حاصل ہو۔ طبیب اس وقت تک اہلیت کے کمال درجہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک یہ دو باتیں ان کے اندر وافر مقدار میں نہ پائی جائے۔

(۱) جن امراض کے اندر ان کو خصوصیت اور مہارت حاصل ہو اس کے مکمل علاج کا علم، بصیرت رکھتا ہو۔

(۲) ان امراض کی تطبیق اور وجہ مطلوب ادا پر قادر ہو۔ ان دو باتوں کی عدم موجودگی میں شریعت طب کی مشق کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور بہت سے اہل فن نے طبیب کی اخلاقیات میں ان کو بیان کیا ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہے کہ آپؐ نے فرمایا'' جو طبیب بنا اور اس کو اس سے پہلے طب کا علم نہیں تھا تو وہ اس کا ضامن ہے''۔